5

ستیارتھ پرکاش کا جواب۔ آخری پارہ کی تفسیر

(فرمودہ 2 فروری 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"میں نے جلسہ سالانہ پر آج سے ایک مہینہ پہلے اس سال کے متعلق بعض کاموں کا اعلان کیا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت تک وہ کام اپنے پروگرام کے مطابق ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پروگرام کے مطابق وہ ہو جائیں گے۔ ایک تو میں نے ستیارتھ پرکاش کا جواب شائع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ اس کا جواب قریباً سات آٹھ بابوں کا ہو چکا ہے اور بقیہ تیار ہو رہا ہے۔ جو نوجوان اس کام کو کر رہے ہیں مجھے خوشی ہے کہ وہ محنت کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اور مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے نوجوان پیدا ہو رہے ہیں جو ہندو لٹریچر کو اس کی اپنی زبان میں پڑھ کر غور کر سکتے ہیں۔ اس کام کے لئے میں نے مولوی ناصر الدین صاحب عبداللہ اور مہاشہ محمد عمر صاحب اور مہاشہ فضل حسین صاحب کو مقرر کیا ہوا ہے۔ اور یہ تینوں بہت جانفشانی سے اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور مَیں سرِ دست ایڈیٹنگ (Editing) کرتا ہوں۔ وہ نوٹ لکھ کر مجھے دے دیتے ہیں اور میں جرح کر کے واپس بھیج دیتا ہوں۔ پھر وہ اصل مضمون لکھ کر بھیج دیتے ہیں اور میں اسے دیکھ لیتا ہوں۔ اس میں میرا اپنا کام صرف اتنا ہی ہے کہ جو دلائل کمزور ہوں ان کی طرف انہیں توجہ دلا دیتا ہوں کہ یہ یہ دلائل کمزور ہیں۔ یا تمہارا یہ اعتراض ان معنوں پر پڑتا ہے اور ان معنوں پر نہیں پڑتا۔ یا یہ کہ

بعض دفعہ ان کی عبارتوں میں جوش ہوتا ہے۔ کیونکہ ستیارتھ پرکاش میں سخت سخت حملے کئے گئے ہیں اس لئے اس کا جواب دیتے وقت جذبات کو روکنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے میں اس بات کی بھی نگرانی کرتا ہوں کہ ایسے سخت الفاظ استعمال نہ کئے جائیں جن سے کسی کی دل شکنی ہو یا اس بات کو بھی مَیں مدنظر رکھتا ہوں کہ یہ کتاب آریہ سماج کی ہے۔ لیکن ہمارے نوجوان بعض دفعہ ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس بات کو بھول کر کہ ہمارے مخاطب تمام ہندو نہیں بلکہ صرف آریہ سماجی ہیں مضمون زیر بحث میں سناتن دھرم کی بعض باتوں کی بھی تردید شروع کر دیتے ہیں۔ تو میں اس بات میں بھی ان کی نگرانی کرتا ہوں کہ وہ صرف آریہ سماج کو ہی مخاطب کریں اور ایسی باتوں کا ذکر نہ کریں جو براہِ راست ویدوں یا سناتن دھرم کے لٹریچر کے متعلق ہوں۔ جس حد تک میرے پاس مضمون آچکا ہے اور غالباً اکثر آچکا ہے اس کو دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ بہت محنت اور جانفشانی سے لکھا گیا ہے۔ انشاء اللہ جب یہ جواب شائع ہو گا تو اس سے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو آریہ سماج کا پرانا قرضہ جو ہمارے ذمہ تھا وہ اتر جائے گا۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ اس قسم کی اہم کتاب کا جواب دینے کی آریہ سماج ضرور کوشش کرے گی۔ اور جب اس کی طرف سے اس کا جواب دیا جائے گا تو ہمیں پتہ لگ جائے گا کہ ہمارے نوجوانوں کی ہندی جاننے کی ذاتی قابلیت کہاں تک ہے۔ اس وقت ہم پورے طور پر فیصلہ نہیں کرسکتے کہ ہمارے نوجوان کس حد تک ہندی یا سنسکرت جانتے ہیں۔ لیکن جب آریہ سماج کی طرف سے اس کا جواب دیا جائے گا کہ تمہارا فلاں ترجمہ غلط ہے فلاں معنے لغت کے خلاف ہیں تو پھر ہم کو بھی صحیح طور پر موازنہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور ہمیں آئندہ سنسکرت کے علماء پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ دراصل ہندو علم اتنا مخفی ہے اور ہمیں اس کے متعلق اتنی ناواقفیت ہے کہ ہم پورے طور پر ہندو مذہب کے عالم بھی پیدا کرنے کے قابل نہیں۔ بعض علوم ایسے ہیں جن کا اندازہ ہم کرسکتے ہیں کیونکہ ان کے جاننے والے ہمیں کثرت سے ملتے ہیں مگر ویدوں کا علم اس قسم کا ہے کہ خود ہندوؤں میں بھی اس علم کو جاننے والے بہت کم ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کا تو خیال ہے کہ سارے ہندوستان میں کُل تین آدمی ویدوں کا علم جاننے والے ہیں۔ تو جہاں سارے ہندوستان میں ویدوں کے جاننے والے کُل تین آدمی ہوں وہاں ہمیں

کہاں توفیق مل سکتی ہے کہ ہم یہ پتہ لگائیں کہ ہمارے نوجوان اس علم کو جان گئے ہیں یا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں ایسے مقابلہ میں آکر ہمیں صحیح طور پر پتہ لگ جائے گا کہ ہمارے نوجوانوں کے علم میں خامیاں ہیں یا نہیں۔ اگر خامیاں ہوں گی تو ہم سوچ سکیں گے کہ کس رنگ میں ان کی اصلاح ہو سکتی ہے اور اگر خامیاں نہیں ہوں گی تو پھر اسی طریق پر ہندو مذہب کے نئے علماء پیدا کرنے میں ہمیں سہولت ہو گی۔ اس وقت تک ہماری یہ کمزوری ہے کہ ہم ہندوؤں اور سکھوں کو صرف اردو میں ہی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوؤں اور سکھوں میں بھی اردو جاننے والے موجود ہیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ خواہ وہ اردو جانتے ہوں مگر وہ مانوس ہندی اور گورمکھی سے ہیں۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ جس زبان سے انسان مانوس ہو اُس کی طبیعت پر زیادہ اثر اسی زبان میں ہی تبلیغ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً اردو کو ہی لے لو۔ اردو میں بعض چیزوں کے دو دو لفظ ہوتے ہیں۔ ایک لفظ عربی یا فارسی کا ہوتا ہے اور دوسرا لفظ ہندی یا بھاشا کا ہوتا ہے۔ اگر کوئی مقرر کھڑا ہو اور اپنی تقریر میں چُن چُن کر ہندی یا بھاشا کے الفاظ استعمال کرنے شروع کر دے تو ہماری مجلس اس بات کو عجیب سا سمجھے گی اور اس کی باتوں سے اتنا متاثر نہیں ہو گی جتنا کہ عام اردو زبان سے متاثر ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک لفظ ہے ابر آیا، برکھا آئی۔ ایک لفظ فارسی ہے اور ایک ہندی، گو دونوں لفظ ہم سمجھتے ہیں مگر ایک مقرر اگر کھڑا ہو کر چُن چُن کر ایسے ہندی الفاظ استعمال کرنا شروع کر دے تو گو وہ بولے اور سمجھے بھی جاتے ہوں گے مگر جب وہ ان الفاظ کو جمع کر کے لے آئے گا تو گو ان کا سمجھنا تو مشکل نہیں ہو گا مگر وہ الفاظ ہمارے اندر وہ کیفیتِ جذب پیدا نہیں کر سکیں گے جو کیفیت عام اردو الفاظ سے ہمارے اندر پیدا ہو سکتی ہے۔ ہم صرف اسی خیال میں رہیں گے کہ کیسے کیسے انوکھے الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ اسی طرح ایک ہندو یا ایک سکھ گو اردو سمجھتا ہے بالعموم شہری طبقہ مگر دیہات کا بھاری طبقہ ایسا ہے جن کی اردو اپنی ہی قسم کی ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ کئی دفعہ ایسے لوگوں سے بات کرتے وقت ان کو ٹوک ٹوک کر پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ کے اس فقرہ کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ ان کی زبان میں ہندی اور گورمکھی کے ایسے پرانے الفاظ ہوتے ہیں جنہوں نے اردو کی شکل اختیار نہیں کی۔ پس ہم اُس وقت تک اسلام اور احمدیت کی

تبلیغ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہماری جماعت میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود نہ ہو جو ہندی، گورمکھی اور بنگالی، مرہٹی، تاملی وغیرہ جاننے والے ہوں۔ کیونکہ ہندوؤں میں تبلیغ کرنے کے لئے ہندی زبان اسی طرح ہے جس طرح مسلمانوں کے لئے اردو۔ گویا ہندی اور اردو کے دو الگ الگ دریا بہتے ہیں جو آپس میں ملتے نہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ 1 کہ دو دریا پاس پاس بہتے ہیں لیکن ان کے درمیان برزخ ہے اور وہ آپس میں ملتے نہیں۔ اسی طرح ہندی اور اردو بھی دو الگ الگ دریا ہیں جو سارے ہندوستان پر چھائے ہوئے ہیں۔ مگر اردو کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ جو ہندی جاننے والے ہیں ان میں سے اکثر اردو بھی جانتے اور سمجھتے ہیں۔ مگر مسلمان جو اردو جاننے والے ہیں ان میں بہت کم لوگ ہیں جو ہندی جانتے ہیں۔ گویا اردو کا دریا ہندی پر بھی چھایا ہوا ہے۔ لیکن ہندوؤں میں سے بعض لوگ جو گاؤں کے رہنے والے ہیں وہ ہندی کے ذریعہ تو باتیں سمجھ سکتے ہیں مگر اردو کے ذریعہ سے ان کے اندر وہ اثر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو موثر طور پر تبلیغ کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے اندر ہندی اور سنسکرت جاننے والے ہوں۔ اِس وقت تک جماعت نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ بہت کم لوگ ہیں جو ہندی جانتے ہیں۔

پس جہاں میں جماعت کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ستیارتھ پرکاش کا جواب شائع کرنے کا کام جلد جلد ہو رہا ہے وہاں میں جماعت کو اس طرف بھی توجہ دلاتا ہوں کہ ہندوؤں اور سکھوں میں موثر طور پر تبلیغ کرنے کے لئے کثرت سے ہندی اور گورمکھی وغیرہ جاننے والے ہونے چاہئیں۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی اصل بات میں یہ کہہ رہا تھا کہ ستیارتھ پرکاش کا جواب لکھا جا رہا ہے اور اس میں تین باتوں میں میرا حصہ ہے۔ اول یہ کہ کوئی دلیل کمزور نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ عام ہندوؤں کی طرف خطاب نہ ہو بلکہ صرف آریہ سماج مخاطب ہو۔ تیسرے یہ کہ کوئی سخت کلامی نہ ہو۔ اور ان تینوں باتوں کے لحاظ سے میں اس مضمون کو دیکھ چکا ہوں جو اِس وقت تک تیار ہو چکا ہے۔

دوسرا کام قرآن مجید کی تفسیر شائع کرنے کا تھا۔ چنانچہ روزانہ جماعت کے چھ سات سَو

کے قریب آدمی جمع ہوتے ہیں اور میں ان کے سامنے قرآن مجید کے نوٹ لکھا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِس وقت تک دو سو پچھتر صفحات کے قریب کا مضمون جنوری میں لکھوایا جا چکا ہے۔ اس سے پہلے ڈلہوزی میں ساڑھے تین سو صفحات کا مضمون میں لکھوا چکا ہوں۔ اس طرح گویا سَوا چھ سَو صفحہ کا مضمون ہو چکا ہے۔ یوں تو ہزار بارہ سو صفحات جنوری میں لکھے جا چکے ہیں۔ مگر چھپوائی میں چونکہ باریک اور گنجان الفاظ لکھے جاتے ہیں اور تھوڑی جگہ لیتے ہیں اس لئے ہزار بارہ سو صفحات کا مضمون تفسیر کے دو سو پچھتر صفحات میں آتا ہے۔ تو اتنا کام ہو چکا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو ایک مہینہ میں آخری پارہ کی تفسیر ختم ہو جائے گی۔ آخری پارہ اس لحاظ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں چھوٹے چھوٹے فاصلہ پر سورۃ بدلتی ہے۔ اگر انسان بڑی بڑی عمارتوں کو دیکھے جو دو دو تین تین فرلانگ تک لمبی چلتی چلی جائیں تو وہ شخص اپنی ساری سیر میں تین چار عمارتوں کے پاس سے گزرتا ہے اور اس کی طبیعت پر اَور قسم کا اثر ہوتا ہے۔ مگر جب وہ ایسی عمارتوں کے پاس سے گزرے جو ایک مکان کے بعد دوسرا مکان اور دوسرے مکان کے بعد تیسرا مکان اور تیسرے مکان کے بعد چوتھا مکان سامنے لاتی ہوں اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مکان بدلتے چلے جائیں تو اس کی طبیعت پر اَور قسم کا اثر ہوتا ہے۔ چلتا تو وہ اُتنا ہی ہے مگر وہاں بڑی بڑی عمارتوں کے پاس سے گزرتے وقت وہ اتنے عرصہ میں تین یا چار نظارے دیکھتا ہے۔ اور یہاں اتنے ہی عرصہ میں سینکڑوں نظارے اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر ہے پہلے پاروں کی سورتیں لمبی ہیں۔ سورۃ بقرۃ میں پہلا پارہ سارا ختم ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرا پارہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور تیسرا بھی آدھا گزر جاتا ہے اور پھر جا کر یہ سورۃ ختم ہوتی ہے۔ اور اڑھائی پاروں تک ایک ہی سورۃ چلتی چلی جاتی ہے۔ پھر آگے چل کر ڈیڑھ ڈیڑھ پارہ میں ایک ایک سورۃ آجاتی ہے۔ پھر پارے پارے میں اور پھر ایک ایک پارے میں دو دو سورتیں آجاتی ہیں۔ پھر ایک ایک پارے میں تین تین چار چار سورتیں آجاتی ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آخری پارہ میں جا کر سینتیس سورتیں آگئی ہیں۔ گویا پہلی سورتیں لمبی لمبی عمارتیں تھیں جو دُور تک چلتی چلی جاتی ہیں اور آخری سورتیں چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہیں جو ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد

تیسری بدلتی چلی جاتی ہیں۔ وہاں سورۃ بقرۃ میں پہلا پارہ گزر کر بھی ایک ہی مضمون تھا اور وہی مضمون پھر دوسرے پارے میں بھی چلتا چلا جاتا ہے اور تیسرے پارہ کے نصف میں جا کر ختم ہوتا ہے۔ مگر یہاں قدم قدم پر مضمون بدلتا ہے۔ یورپین مصنفین کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب مضمون کے لحاظ سے نہیں بلکہ جو لمبی سورتیں ہیں وہ پہلے رکھ دی گئی ہیں اور جو چھوٹی سورتیں ہیں وہ آخر میں رکھ دی گئی ہیں۔ یہ بات غلط ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں میں مضمون کے لحاظ سے ترتیب پائی جاتی ہے اور اس ترتیب کے مطابق سورتیں رکھی گئی ہیں۔ اور اس دعویٰ کی وجہ سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم وہ ترتیب ثابت کریں۔ اور یہ ترتیب کا مضمون اتنا مشکل ہے کہ آج تک اس پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں بِالاستیعاب یہ بحث کی گئی ہو کہ قرآن مجید کی تمام سورتوں میں کُلی طور پر کس طرح ترتیب پائی جاتی ہے۔ یہ اتنا مشکل مضمون ہے کہ سید ولی اللہ شاہ صاحب جیسے آدمی جو زمانہ آخر کے چوٹی کے عالم تھے اور جنہوں نے قرآن مجید کی بڑی خدمت کی ہے انہوں نے بھی آخر لکھ دیا کہ قرآن مجید کے مضامین ایسے ہیں جیسے نمائش میں مختلف اشیاء جمع کر کے رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ گویا مکمل ترتیب ثابت کرنے سے وہ بھی قاصر رہے۔ پس چونکہ آج تک اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں قرآن مجید کی ترتیب کے متعلق مکمل بحث کی گئی ہو اور ہمارے عقیدہ کی رو سے چونکہ قرآن مجید میں کُلّی ترتیب پائی جاتی ہے اس لحاظ سے آخری پارہ کی تفسیر سب سے اہم اور سب سے مشکل ہے۔ کیونکہ پہلے حصہ میں تو کہیں اڑھائی پاروں یا دو پاروں یا ڈیڑھ پارہ کے بعد جا کر سوچنا پڑتا تھا کہ اب اس سورۃ کی پہلی سورۃ سے کیا ترتیب ہے گویا مضمون کی یگانگت ہمیں سوچنے سے بے نیاز کر دیتی تھی اور اڑھائی پارہ تک یا ڈیڑھ پارہ تک یا ایک پارہ تک یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اب اس مضمون کی ترتیب کیا ہے۔ کیونکہ ایک ہی مضمون چلتا چلا جاتا تھا۔ مگر یہاں نام کو تو ایک پارہ ہے مگر سینتیس دفعہ ٹھہر کر دیکھنا پڑتا ہے کہ اس سورۃ کا تعلق پہلی سورۃ سے کیا ہے اور مضمون کے لحاظ سے کیا ترتیب پائی جاتی ہے۔ اور اس سورۃ کو اس سے پہلی سورۃ کے بعد کیوں رکھا ہے۔

پس اس لحاظ سے آخری پارہ کی تفسیر سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ مشکل ہے

یہ تفسیر اگر خدا تعالیٰ توفیق دے دے تو ایک مہینہ تک ہو جائے گی اور پھر اس کی وجہ سے ترتیب کے متعلق ذہنوں میں جو مشکل پیدا ہوتی ہے وہ حل ہو جائے گی۔ اس سے پہلے مسلمان قرآن مجید پڑھتے تھے مگر ان کے ذہن میں کبھی یہ شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے کیا تعلق ہے اور مضمون کے لحاظ سے ان دونوں میں کیا ترتیب ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ الگ ہے، سورۃ النازعات الگ ہے، سورۂ عبس الگ ہے، ہر ایک سورۃ پہلی سورۃ سے الگ ہے اور ان میں کوئی جوڑ اور کوئی ترتیب نہیں بلکہ الگ الگ مضامین ہیں۔ اس لئے ان کو اس بات کے متعلق سوچنے کی کوفت نہیں ہوتی تھی کہ ایک سورۃ کی دوسری سورۃ سے ترتیب معلوم کریں۔ مگر ہم نے جہاں دنیا کے سامنے قرآن مجید کی ترتیب کا دعویٰ پیش کیا ہے وہاں لوگوں کا جھوٹا امن جو اُن کو حاصل تھا وہ بھی ساتھ ہی برباد کر دیا ہے۔ پہلے تو ایک مسلمان قرآن مجید پڑھتا تھا تو یہ سمجھ کر پڑھتا تھا کہ اس کے مضامین میں کوئی ترتیب نہیں اس لئے وہ بغیر کسی شُبہ کے پڑھتا چلا جاتا تھا۔ خواہ یہ اس کی کمزوری تھی، خواہ یہ علم کا نقص تھا، خواہ یہ قرآن مجید کی ہتک تھی کہ کہا جائے کہ قرآن مجید کی سورتوں میں کوئی جوڑ نہیں کوئی ترتیب نہیں۔ یونہی پہلے لمبی لمبی سورتیں جمع کر دی ہیں اور آخر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں رکھ دی ہیں۔ کچھ بھی ہو بہر حال اس خیال کی وجہ سے وہ شبہات سے بچا ہوا تھا۔ سب مسلمان اس خیال سے قرآن مجید پڑھتے تھے کہ اس کی سورتوں میں کوئی جوڑ نہیں اس لئے وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی ترتیب اور جوڑ معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اور ان کو مضمون کی ترتیب نکالنے کے متعلق کوئی تشویش پیدا نہیں ہوتی تھی۔ جب کوئی نئی سورۃ شروع ہوتی تو وہ یہی سمجھتے کہ اب ایک نیا مضمون شروع ہوا ہے جس کا پہلی سورۃ کے مضمون سے کوئی تعلق اور جوڑ نہیں۔ مگر جب ہماری طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ سارا قرآن مجید باترتیب ہے اور ہر ایک سورۃ اپنے سے پہلی سورۃ کے ساتھ ملتی ہے اور ان کے اندر ایک فلسفیانہ اور عقلی جوڑ پایا جاتا ہے تو ہمارے اس دعویٰ سے وہ جو جھوٹا امن حاصل تھا کہ قرآن مجید کی ترتیب نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ جھوٹا امن بھی جاتا رہا۔ اب ایک احمدی یہ نہیں کہہ سکتا کہ چلو سورۃ النَّبَاِ کے بعد سورۃ النازعات آگئی اور اب ایک نیا مضمون شروع ہو گیا جس کا پہلی

سورۃ کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کو تو جب تک پتہ نہیں لگتا کہ اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے کیا جوڑ ہے اور مضمون کے لحاظ سے ان میں کیا ترتیب پائی جاتی ہے اُس وقت تک اس کی تشویش دور نہیں ہوتی اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے قرآن مجید کو سمجھا ہی نہیں۔ کیونکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تمام سورتوں کا آپس میں جوڑ ہے اور اس کے مضامین میں زنجیر کی طرح ایک تسلسل اور ایک تعلق پایا جاتا ہے۔ مگر مجھے وہ ترتیب اور وہ جوڑ معلوم نہیں اس لئے میں نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا اور یہ بے کلی اس کے دل کے اطمینان کو ضائع کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس تفسیر کے ذریعہ جو لوگ درس میں شامل نہیں ہو سکتے یا جو باہر رہتے ہیں ان کی یہ تشویش اور یہ بے کلی دور ہو جائے گی۔ اور جو لوگ درس میں شامل ہوتے ہیں ان کو تو ساتھ ہی ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ کس طرح خاص حکمت اور خاص غرض کے ماتحت سورتوں کو ایک دوسری کے بعد رکھا گیا ہے اور ان کے مضامین میں کیا ترتیب اور کیا جوڑ پایا جاتا ہے۔ پس اس لحاظ سے بھی آخری پارہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں کثرت کے ساتھ زمانہ حاضرہ کے متعلق پیشگوئیاں اور حالات بیان کئے گئے ہیں۔ زمانہ حاضرہ کے متعلق جتنی باتیں اور جتنی خبریں اس پارہ میں بیان کی گئی ہیں شاید سارے قرآن مجید میں بھی اس زمانہ کے متعلق اتنی خبریں اور اتنے حالات بیان نہیں کئے گئے۔ بعض جگہوں پر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِس زمانہ کا گویا تمام نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے۔ پس اِس زمانہ کے حالات کا جس رنگ میں اس پارہ میں ذکر کیا گیا ہے اور جو نقشہ خدا تعالیٰ کے اس زمانہ میں ظاہر ہونے والے افعال کا اس پارہ میں کھینچا گیا ہے ہر آدمی جو چاہے احمدی نہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کا مطالعہ کرے اور معلوم کرے کہ قرآن مجید میں آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کس طرح اس زمانہ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے اور اِس زمانہ میں پیدا ہونے والے مفاسد کا کیا علاج بتایا گیا ہے اور کس رنگ میں آئندہ ترقی کرنے کی صورت کو پیش کیا گیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اگر حالات مساعد ہوں تو آخری پارہ فروری کے آخر تک یا مارچ کے شروع تک ختم ہو جائے گا۔ آگے پھر چھپنے کا سوال ہے اس کا میرے ساتھ تعلق نہیں۔ اس کا تعلق دفاتر کے ساتھ ہے اور یہ ان کا کام ہے۔ جنگ کی وجہ سے مشکلات اور قدم قدم

پر روکیں پیدا ہو رہیں ہیں۔ کاغذ تو موجود ہے باقی کاموں کے متعلق کوشش ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اپریل، مئی یا حد جون تک یہ جلد شائع ہو جائے گی۔ اس کے بعد جیسا کہ میں نے جلسہ سالانہ پر اعلان کیا تھا میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اسی سال پہلی جلد بھی جو آدھی باقی ہے مکمل کر کے شائع کر دی جائے۔

اس کے بعد میں جماعت کو تحریک جدید کی طرف پھر توجہ دلاتا ہوں گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ اب جو جمعہ آئے گا اس جمعہ کے خطبہ میں تحریک جدید کی تحریک کرنا بے فائدہ ہو گا کیونکہ وہ خطبہ وقت پر نہیں پہنچ سکے گا۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ جماعت کو اپنے آئندہ فرائض معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ میں یہ بتا دوں کہ جو کام ہمارے سامنے ہے وہ بہت بڑی قربانی چاہتا ہے۔ وہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے ابتدائی اخراجات کے لئے بھی ہمارے پاس سامان موجود نہیں۔ اب جبکہ جنگ کے خاتمہ کے آثار نظر آ رہے ہیں اور جبکہ ہمیں جلد سے جلد تبلیغ کرنے کا موقع ملنے والا ہے میں نے پھر ایک دفعہ اس سارے مضمون کو اپنے دماغ میں دہرانا شروع کیا اور ساتھ ساتھ اس میں سے کچھ باتیں کاغذ پر نوٹ کرتا گیا۔ میں نے غور کیا کہ تبلیغ کے لئے ہم پہلا قدم کیا اٹھائیں اور اس کے لئے کس قدر اخراجات کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر ہم صحیح طور پر تبلیغ کرنا چاہیں تو فی مرکز میں چھ چھ مبلغوں کی ضرورت ہے۔ اور مرکز سے مراد وہ علاقہ نہیں ہے جس میں ہم تبلیغ وسیع کرنا چاہتے ہیں اور جہاں آدمی کامیاب طور پر تبلیغ کر سکتا ہے۔ مثلاً انگلستان کو ہی لے لیں۔ تو اسے ہم ایک مرکز قرار نہیں دے سکتے۔ کیونکہ انگلستان کی آبادی ساڑھے چار کروڑ کی ہے۔ اس ساڑھے چار کروڑ کی آبادی کو چھ آدمی ایک جگہ بیٹھ کر تبلیغ نہیں کر سکتے۔ انگلستان کو جانے دو۔ لندن کو ہی لے لیا جائے تو لندن میں بھی چھ آدمی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ لندن کی آبادی اسّی لاکھ کی ہے اور یہ شہر ستّر اسّی میل تک پھیلا ہوا ہے اور اس کے باشندے اپنے کاموں میں اتنے مشغول رہتے ہیں کہ ان کو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔ شاذ ہی کوئی ہو گا جو اپنے کام سے وقت بچا کر کسی دوسرے کام کے لئے دے سکے اور اس طرف توجہ کر سکے۔ تو انگلستان کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ چھ مبلغ وہاں موثر طور پر تبلیغ کر سکتے ہیں

یہ خیال ہی غلط ہے۔ اگر لندن کے دس دس لاکھ کے حصے کر لئے جائیں تو تب بھی سات آٹھ مبلغ ہونے چاہئیں مگر یہ تو ساری دور کی خوابیں ہیں۔ بے شک دور کی خوابیں بھی اللہ تعالیٰ نزدیک کر دیا کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکی زندگی میں کس کو یہ خیال آسکتا تھا کہ آج سے سات سال کے اندر مسلمان سارے عرب پر غالب آجائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ دور کی خوابیں بھی حقیقت میں بدل دیا کرتا ہے۔ مگر یہ تو اس کا فعل ہے اس کو وہی جانتا ہے کہ کب ہو گا۔ ہم نے تو اپنے ماحول کو ہی دیکھنا ہے۔ تو موجودہ حالات کے لحاظ سے اگر ہم یہی کریں کہ سارے انگلینڈ کو ایک مرکز قرار دیں تو ہے تو یہ عجیب بات کہ چار ساڑھے چار کروڑ کی آبادی کو تبلیغ کرنے کے لئے جو کئی ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے ہم یہ فیصلہ کریں کہ اس کو ایک مرکز قرار دیں اور چھ مبلغ وہاں رکھیں۔ کیونکہ چھ آدمی اتنی آبادی میں تبلیغ کا کام پوری طرح نہیں کر سکتے۔ بہر حال اگر موجودہ مشکلات کے لحاظ سے ایک مرکز انگلستان کو قرار دیں اور ایک ایک مرکز جرمنی، فرانس، اٹلی، سپین اور شمالی یورپ اور مشرقی یورپ میں رکھیں تو یہ سارے دس کے قریب مرکز ہوتے ہیں۔ اور پھر اس کے علاوہ شمالی اور جنوبی امریکہ کے حصے ہیں۔ پھر عرب ممالک کے پانچ اور ایران کا ایک اور افریقہ کے دس کُل اٹھائیس مراکز، ممالک اور براعظموں کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ اور ان میں ایک ایک ملک میں صرف چھ چھ مبلغ مقرر کریں تو کُل ایک سو اڑسٹھ مبلغوں کی ضرورت بنتی ہے۔ اور چونکہ ہر مبلغ، اس کے قائمقام، سفر خرچ، لٹریچر اور نگرانی کا خرچ کم سے کم سات سو ماہوار فی مبلغ ہوتا ہے۔ اس تعداد کا کُل خرچ گیارہ لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب ہوتا ہے۔ جب میں نے اس پر غور کیا تو میں نے کہا ابھی جتنی چادر ہے اُتنے پاؤں پھیلاؤ۔ کیونکہ یہ کام ابھی ہماری طاقت سے باہر ہے اور ہمارے پاس اتنے سامان نہیں کہ ان تمام جگہوں پر مرکز قائم کر سکیں۔ لیکن یہ بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا کہ کسی ایک ملک کو چُن کر وہاں تبلیغ شروع کر دی جائے۔ کیونکہ حالات کے لحاظ سے یہ تمام ممالک ایسے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑا نہیں جاسکتا۔ اس زمانہ میں خطرناک تغیرات کسی ایک ملک میں رونما نہیں ہو رہے بلکہ یہ تغیرات عالمگیر ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ عالمگیر تبلیغ کے سامان مہیا فرمائے۔ اگر خدا تعالیٰ کا

ارادہ عالمگیر تبلیغ کے لئے سامان مہیا فرمانے کا نہ ہوتا تو خطرناک تغیرات صرف اٹلی میں رونما ہوتے یا صرف فرانس میں رونما ہوتے یا صرف جرمنی میں رونما ہوتے یا صرف انگلستان میں رونما ہوتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے ایک سرے سے لے کر دوسرے تک اس قسم کے تغیرات رونما ہوئے ہیں اور خصوصاً مغربی یورپ میں تو اتنے خطرناک تغیرات پیدا ہو چکے ہیں کہ وہاں نہ کوئی حکومت باقی رہی ہے اور نہ سرحدیں باقی رہی ہیں اور جس طرح لوہے کو گلا دیا جاتا ہے اِسی طرح سارے کا سارا یورپ گل گیا ہے۔ کوئی قومیت باقی نہیں رہی اور کوئی ملک نہیں جانتا کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ فرانس اپنے مستقبل کے متعلق نہیں جانتا کہ کل کو کیا بننے والا ہے، اٹلی اپنے مستقبل کے متعلق نہیں جانتا، سپین اپنے مستقبل کے متعلق نہیں جانتا، یوگوسلاویہ اپنے مستقبل کے متعلق نہیں جانتا۔ اسی طرح ہنگری اور دوسرے یورپین ممالک بھی نہیں جانتے کہ کیا بننے والا ہے اور مستقبل میں ہمارا کیا حال ہو گا۔ شاید روس اپنے مستقبل کے متعلق سمجھتا ہو لیکن در حقیقت اس کی بھی ناواقفیت ہے۔ خود انگلستان میں بھی گھبراہٹ ہے کہ ہماری کامن ویلتھ کا کیا بنے گا۔ اخبارات میں اس قسم کے حالات نہیں آتے۔ میں انگلستان سے ایک رسالہ منگواتا ہوں جو پارلیمنٹ کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔ قانونی طور پر نہیں بلکہ پارلیمنٹ کے کچھ ممبر مل کر اسے شائع کرتے ہیں۔ جس میں اس قسم کی ساری اہم باتوں کے متعلق بحث ہوتی ہے کہ ہماری کامن ویلتھ کا کیا بننے والا ہے۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ کے ممالک کی پالیٹکس کے متعلق بحث ہوتی ہے کہ کیا کیا تغیرات رونما ہونے والے ہیں اور کس قسم کے خطرات پیش آنے والے ہیں۔ اس رسالہ سے پتہ لگتا ہے کہ خود انگلستان کے لوگ بھی گھبرا رہے ہیں کہ ہماری کامن ویلتھ کا کیا ہونے والا ہے۔

پس ان حالات میں ہمیں سمجھنا چاہیے کہ خدا کی آواز ہمیں بلا کر کہہ رہی ہے کہ ہماری تبلیغ کسی ایک ملک کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ ان تمام ممالک میں تبلیغ کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ جب میں نے ان حالات پر غور کیا تو میں نے سوچا کہ انگلستان، جرمنی، فرانس، اٹلی، سپین کم سے کم یورپ کے یہ ممالک تو ایسے ہیں جن کو کسی طرح بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ روس کو بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ مگر وہاں چونکہ تبلیغ کی اجازت نہیں اس لئے مجبوری ہے۔ روس

میں آزادی کا ڈھول تو بہت پیٹا جاتا ہے مگر اس کے متعلق ہمارا نہایت تلخ تجربہ ہے۔ ہمارے آدمی وہاں کے قید خانوں سے نکل نکل کر آئے ہیں اور ایک کو تو کئی سال قید میں رکھا اور اسے بڑی بڑی سخت تکالیف دی گئیں۔ پس اس میں تبلیغ کا ابھی انتظام نہیں کیا جا سکتا۔ باقی یورپ کے ہر ملک کے دروازے ہمارے لئے کُھلے ہیں اور ہم انہیں اپنی تبلیغ میں لا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ امریکہ میں بھی شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ دو الگ الگ براعظم ہیں۔ اول تو جنوبی امریکہ میں ہی تیرہ چودہ وسیع حکومتیں ہیں۔ پھر بھی اگر ہم سارے جنوبی امریکہ کو ایک مرکز قرار دے لیں کہ وہ لوگ متحدُ القوم اور متحدُ اللّسان ہیں اور اسی طرح شمالی امریکہ کو بھی ایک مرکز قرار دیں تو پانچ وہ (یعنی انگلستان جرمنی، فرانس، اٹلی اور سپین) اور دو یہ۔ کُل سات مرکز ہو گئے۔ گویا بیالیس مبلغ ہوں تو ان سات مراکز میں تبلیغ ہو سکتی ہے۔ مگر میں نے اندازہ لگایا کہ بیالیس مبلغوں کا بھی اتنا بوجھ ہے کہ موجودہ حالات کے لحاظ سے اسے برداشت کرنا ناممکن ہے یعنی جہاں تک جماعت کی قابلیت کے معیار کا سوال ہے اس کے لحاظ سے تو یہ ناممکن نہیں۔ مگر جس قربانی کے معیار پر جماعت اِس وقت کھڑی ہے اس کے لحاظ سے یہ مشکل ہے۔ ورنہ جماعت کی حالت تو ایسی ہے کہ اگر وہ قربانی کے صحیح معیار کو قائم رکھے تو پھر یہ ناممکن نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت قربانی کے صحیح معیار پر قائم رہے تو اس سے زیادہ کام بھی ہو تو وہ بھی ہو سکتا ہے۔

خیر تو مَیں نے سوچا کہ اگر ہم ان مرکزوں میں سے ہر ایک میں چھ چھ مبلغ رکھیں تو سات مراکز کا خرچ ساڑھے تین لاکھ روپیہ سالانہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ساڑھے تین لاکھ روپیہ سالانہ کا بار ایسا ہے کہ تحریک جدید کا فنڈ اسے اٹھا نہیں سکتا۔ مگر عرب، ایران یہ پھر بھی اس سے باہر رہ جاتے ہیں اور یہ دونوں ملک ایسے ہیں کہ ان کو بھی خالی نہیں رکھا جا سکتا۔ اگر ان ممالک کو بھی ملا لیں، افریقہ کو بھی ملا لیں اور پھر اس رقم کو بھی ملا لیں جو مبلغین کے جانے پر کرایہ کے لئے خرچ ہو گی اور پھر ان مبلغین کے جو قائمقام یہاں رکھے جائیں گے ان کے اخراجات کو بھی ملا لیں تو اس لحاظ سے یہ سکیم ناقابلِ عمل نظر آتی ہے۔ اور یہ اتنا بار ہے کہ موجودہ حالات کے لحاظ سے ناممکن ہے کہ تحریک جدید اس بار کو اٹھا سکے۔ یہ سوچنے کے بعد

پھر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر ایک مرکز میں مبلغین کی تعداد کم کر دی جائے۔ اور میں نے یہ تجویز کیا کہ انگلستان میں بجائے پورا مرکز رکھنے کے آدھا مرکز رکھا جائے یعنی چھ کی بجائے تین مبلغ رکھے جائیں۔ اور اسی طرح امریکہ میں بھی آدھا مرکز رکھا جائے اور تین مبلغ وہاں رکھے جائیں۔ اور باقی جتنے مراکز ہیں ان میں دو دو مبلغ رکھے جائیں۔ گویا ایک مرکز کا ایک تہائی حصہ وہاں رکھیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک ایک مرکز میں دو دو مبلغ رکھنا کوئی مؤثر تبلیغ نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ یہ ممالک ہیں شہر نہیں۔ لیکن بہر حال کام چلانے کے لئے موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ تین مبلغ انگلستان میں، دو فرانس میں، دو جرمنی میں اور اگر ایک زائد کا انتظام ہو گیا تو جرمنی میں تین کر دیئے جائیں گے اور ہالینڈ کو بھی اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ گویا دو جرمنی کے لئے اور ایک ہالینڈ کے لئے اور دو مبلغ اٹلی میں اور دو سپین میں۔ یہ گویا قلیل سے قلیل دائرہ تبلیغ ہے۔ اور پھر ادھر فلسطین اور شام اور ایران ہیں۔ فلسطین اور شام میں ہمارا صرف ایک مشنری کام کر رہا ہے۔ مگر خدا کے فضل سے ان لوگوں میں بیداری پائی جاتی ہے اور یہ لوگ جلد صداقت قبول کرتے معلوم ہوتے ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ اگر عرب، فلسطین، شام، عراق اور مصر کے لوگ دور دور دنیا کے کناروں تک اسلام نہ پہنچاتے تو ہم تک یہ نعمت نہ پہنچتی۔ ہم میں سے ہر ایک کی گردن ان ملکوں کے احسان کے نیچے جُھکی ہوئی ہے۔ کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہمیں انہوں نے پڑھایا۔ اب ہمارا بھی حق ہے کہ اگر وہ اس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اصلی معنوں کو بھول گئے ہیں تو ہم دوبارہ ان کو یاد کرائیں۔ ایک شریف آدمی جب تک ایک معمولی سے معمولی احسان کا بدلہ بھی اتار نہیں لیتا اُس وقت تک اسے چین نہیں آتا۔ اور یہ تو اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر ہم اتنے بڑے احسان کا بدلہ نہ اتاریں تو حد درجہ کی بے حیائی کہلائے گا۔ تو یہاں مشن قائم کرنے بھی ضروری ہیں اس کے لئے اگر ہم قلیل سے قلیل تعداد میں مبلغ رکھیں تو کم از کم تین عرب میں اور دو ایران میں ہونے چاہئیں۔ اس سے کم تعداد میں کام ہو سکتا ہی نہیں۔ دراصل تو بیسیوں مبلغ عربی ممالک میں اور درجنوں ایران میں ہونے چاہئیں۔ پھر افریقہ ہے جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت بڑھ رہی ہے اور نہایت سُرعت کے ساتھ ہماری تبلیغ پھیل رہی ہے۔

میں نے ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو قلیل سے قلیل اندازہ لگایا ہے تاکہ میں اس کے مطابق کام شروع کر دوں وہ یہ ہے کہ میں نے تجویز کیا ہے کہ تین مبلغ عربی ممالک میں، دو ایران میں، دو سپین میں، دو فرانس میں، دو اٹلی میں، تین جرمنی میں (جس میں ہالینڈ بھی شامل ہوگا) تین انگلستان میں، تین شمالی امریکہ میں اور دو جنوبی امریکہ میں رکھے جائیں۔ یہ سارے بائیس مبلّغ بنتے ہیں اور یہ قلیل سے قلیل تعداد ہے جس سے کام شروع کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے کم تعداد میں کسی صورت میں بھی کام نہیں کیا جا سکتا۔ جب میں نے ان کے اخراجات کا اندازہ لگایا تو تین مبلغ انگلستان میں، تین جرمنی میں، دو فرانس میں، دو اٹلی میں، دو سپین میں، دو ایران میں، تین عرب میں، تین شمالی امریکہ میں اور دو جنوبی امریکہ میں، بائیس مبلغ تو یہ ہوگئے۔ اور پندرہ مبلغ افریقہ میں۔ یہ کُل سینتیس مبلغ ہوگئے۔ اور سینتیس مبلغ ان کو فارغ کرنے کے لئے مرکز میں رکھے جانے چاہئیں۔ ان 74 مبلغوں کے لئے میں نے دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ سالانہ کا اندازہ لگایا ہے۔ ہمارا تحریک جدید کا دسویں سال کا جو چندہ تھا اگر جماعت کی قربانی کا معیار گیارھویں سال میں اس کے مطابق ہوتا تو اس سے یہ کام چل سکتا تھا۔ دسویں سال تحریک جدید کے تین لاکھ تیس ہزار سے کچھ زائد کے وعدے تھے اور ان میں سے تین لاکھ اٹھائیس ہزار روپیہ وصول ہو چکا ہے۔ اگر جماعت کی قربانی اس معیار پر قائم رہتی تو یہ ایسی رقم تھی کہ اس سے ان سینتیس مبلغوں کے اخراجات کا انتظام ہو سکتا تھا۔ اور پھر اتنے ہی آدمی یہاں قادیان میں بھی رکھے جا سکتے تھے جو مدرسہ کو جاری رکھیں۔ اور پہلے مبلغوں کو جو باہر گئے ہوئے ہوں جب ان کو واپس بلایا جائے (تاکہ ان کی نسل اور ان کی بیویاں تباہ نہ ہوں اور یوں بھی پہلوں کا واقفیت کے لئے بار بار قادیان آنا ضروری ہے) تو ان لوگوں کو ان کی جگہ بھجوایا جائے۔

پس اگر جماعت کی قربانی کا وہی معیار قائم رہتا جو دسویں سال میں تھا تو اس سکیم کو جاری کرنا مشکل نہیں تھا۔ تین لاکھ تیس ہزر روپیہ کی آمد سے دو لاکھ پچاس ہزار کا خرچ سینتیس مبلغوں کا کام چلانے کے لئے کافی ہو جاتا۔ اور باقی کو ریزرو فنڈ کے طور پر جمع رکھا جاتا تا فوری ضرورتوں کے وقت اس سے کام لیا جا سکے۔ اسی وجہ سے میں نے گیارھویں سال کے لئے

یہ تجویز کی تھی کہ جن لوگوں نے دس سال حصہ لیا ہے وہ اپنی قربانی کو اور نو سال تک جاری رکھیں اور کم سے کم نویں سال کے برابر حصہ لیں۔ اس طرح اس قدر رقم کا پورا کرنا ممکن ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اِسی خیال سے کہ اس کام نے ہمیشہ جاری رہنا ہے میں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ایک اَور جماعت پانچ ہزاری فوج کی تیار کی جائے جو آئندہ انیس سال تک اپنی ایک ماہ کی آمد ہر سال دیا کرے تا کہ نو سال کے بعد جب پہلی پانچ ہزاری فوج اپنے کام سے فارغ ہو تو یہ دوسری پانچ ہزاری فوج بوجھ اٹھالے اور اسی طرح ہر دس سال بعد ایک نئی پانچ ہزاری فوج۔ اور اگر خدا تعالیٰ چاہے تو آئندہ دس ہزاری اور پھر اس سے بڑی فوج تیار ہوتی چلی جائے۔ کیونکہ آخر اس انیس سال کے عرصہ میں بعض بچے جوان ہو چکے ہوں گے اور بعض نئے احمدی بھی ہوں گے۔ تو جب پہلے دَور کے لوگ اپنے انیس سال پورے کریں گے تو ان کے بعد نئے احمدی ہونے والے اور نئے پیدا ہونے والے ان کے قائم مقام پیدا ہو چکے ہوں گے اور اس طرح ہمیشہ ہمیش تک یہ سلسلہ چلتا چلا جائے گا۔ جو لڑکا اس دَور کے پہلے سال میں پیدا ہو گا انیس سال کے بعد وہ جوان ہو کر برسرِ روزگار ہو چکا ہو گا اور اس قابل ہو گا کہ دین کی خاطر قربانیوں میں حصہ لے سکے۔ اور جو اس دَور کے پہلے سال میں تین چار سال کا ہو گا انیس سال کے بعد وہ بائیس تیئیس سال کا ہو چکا ہو گا۔ گویا انیس سال کا دَور ہونے کے لحاظ سے نئی پَود تیار کرنے کا ایسا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے جو قیامت تک اپنی قربانی کو جاری رکھے۔ انیس سال کے بعد پہلے لوگوں پر سے یہ بوجھ اُتر چکا ہو گا۔ اور ان کے بعد ایک نئی پَود اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو گی جنہوں نے پہلے سالوں میں حصہ نہیں لیا ہو گا۔ یا جو نئے احمدی ہوں گے یا جو بچے تھے اور انیس سال کے بعد جوان ہو کر برسرِ روزگار ہو چکے ہوں گے اب ان کا فرض ہو گا کہ وہ اپنے باپ دادوں اور بھائیوں کی قربانی کا بوجھ اپنے ذمہ اٹھائیں۔ اور جب ان لوگوں کے بھی انیس سال ختم ہوں گے تو پھر اَور نئی پَود تیار ہو چکی ہو گی جو ان کا بوجھ اٹھائے گی۔ اور اس طرح جماعت کی قربانی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیش کے لئے جاری رہے گا۔ غرض انیس سال کا عرصہ اتنا کافی عرصہ ہے کہ اس کے بعد نئی نسل آجاتی ہے اور پھر بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی آجاتی ہے جو ہزاروں کی تعداد میں نئے احمدی ہوتے ہیں۔ ان کا بھی فرض ہو گا کہ اس

قربانی میں حصہ لیں۔

پس اس سکیم سے میرا منشاء یہ تھا کہ یہ سلسلہ قیامت تک چلتا چلا جائے اور جوں جوں ہماری تبلیغ بڑھتی جائے اور کام وسیع ہوتا جائے ساتھ ہی ساتھ اس کام کو چلانے کے لئے بھی سامان بھی پیدا ہوتے چلے جائیں۔ چنانچہ اس سکیم کے ماتحت میں نے تحریک کی تھی کہ جو لوگ پچھلے دس سالوں میں حصہ لیتے رہے ہیں وہ آئندہ نو سال تک حصہ لیں اور انیس سال کا دور پورا کریں۔ اور گیارھویں سال کا چندہ کم از کم نویں سال کے برابر ضرور دیں۔ میں سمجھتا تھا کہ کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے کہ اگر ان کے حالات اجازت نہ دیں تو وہ کم از کم نویں سال کے برابر تو ضرور دیں گے اور کچھ مخلصین ایسے بھی ہوں گے جو دسویں سال کے برابر یا اس سے زیادہ دیں گے اور اس طرح ہمارا سلسلہ تحریک جدید کی اتنی رقم پیدا کرتا رہے گا کہ جو رقم تبلیغ کی اس سکیم کے بوجھ کو اٹھالے گی۔ کیونکہ نویں سال دو لاکھ کے قریب کے وعدے وصول ہوئے تھے۔ تو اگر گیارہویں سال اڑھائی لاکھ کی آمد ہو تو تبلیغ کی سکیم پر جو اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم خرچ ہوگی وہ اس سے نکل آئے گی۔ اور اگر کسی وقت کچھ کمی رہی تو وہ نئی پانچ ہزاری فوج کی رقم سے ادا کی جاسکے گی۔ پھر جس وقت دفتر اول والوں کے انیس سال پورے ہو جائیں گے تو دفتر دوم والوں کے ابھی دس سال باقی ہوں گے اور وہ منظم ہو کر اس بوجھ کو اٹھالیں گے۔ اور جو کمی رہ جائے گی اس کو پورا کرنے کے لئے دفتر سوئم والے آجائیں گے۔ اور پھر جب دفتر دوئم والوں کے انیس سال پورے ہو جائیں گے تو اُس وقت دفتر سوئم والوں کے ابھی دس سال باقی ہوں گے وہ اس بوجھ کو اٹھالیں گے۔ اور جو کمی رہ جائے گی اس کو پورا کرنے کے لئے دفتر چہارم والے آجائیں گے اور اس طرح جماعت کی قربانی کا سلسلہ قیامت تک چلتا جائے گا۔

یہ سکیم میرے ذہن میں تھی جہاں تک ابتدائی حصہ نے حصہ لیا ہے واقع میں ان کی قربانی بہت شاندار تھی۔ ان ابتدائی حصہ لینے والوں میں بالعموم ایسے تھے جنہوں نے دسویں سال سے بڑھا کر وعدے کئے۔ اور تھوڑے ایسے تھے جنہوں نے نویں سال کے برابر وعدے کئے۔ پھر ان وعدہ کرنے والوں میں سے چونکہ بعض فوت بھی ہو جاتے ہیں، بعض کی پنشن ہو جاتی ہے اس بات کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے بھی وصولی کے وقت آٹھ دس

فیصدی رقم خطرہ میں رہتی ہے۔ مگر جو حصہ باقی رہ گیا تھا انہوں نے قربانی کرنے میں کوتاہی کی ہے اور انہوں نے ابتدائی حصہ لینے والوں کے برابر اخلاص کا نمونہ پیش نہیں کیا۔ اس وقت تک دفتر اول کے گیارھویں سال میں صرف ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کے وعدے آئے ہیں۔☆ لیکن یہ وعدے صرف ہندوستان کے ہیں۔ ہندوستان سے باہر کے وعدے ابھی باقی ہیں۔ اور ابھی ہندوستان کے وعدوں میں بھی آٹھ دس دن باقی ہیں۔ سات دن (7 فروری) تک تو وعدے لکھوائے جاسکتے ہیں اور کچھ وقت ڈاک میں خطوط آنے پر بھی صَرف ہو گا۔ اس کو ملا کر قریباً دس دن ابھی باقی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس سال دو لاکھ سے اوپر کے وعدے ہو جائیں گے۔ لیکن یہ دو لاکھ کی رقم تبلیغ کے اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ان مشنوں کو جاری رکھنے کے لئے اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ کی کم سے کم ضرورت ہے اور جو نئی تحریک (دفتر دوم) کی میں نے جاری کی تھی مجھے افسوس ہے کہ اب تک وہ پوری طرح منظم نہیں ہو سکی۔ اس کے وعدے اِس وقت تک صرف پچیس ہزار سالانہ کے ہوئے ہیں۔ اگر دفتر دوم کو منظم کر کے پانچ ہزار نئے آدمی تیار کر لئے جائیں تو امید ہے دفتر دوم کے ذریعہ سے بھی ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ سالانہ کی آمد ہو سکتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو دفتر اول والوں کی قربانی کا وقت ختم ہونے کے بعد یہ لوگ اس بوجھ کو اٹھا سکیں گے۔ مگر جو وقفہ پڑا ہے اور اس سے جو کمی واقع ہوئی ہے اس کمی کو دور کرنے کے لئے جماعت کو اس کام کی اہمیت سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جو کام ہمارے سامنے ہے اس کے لئے کتنی بڑی قربانی درکار ہے۔

بعض لوگوں کے دلوں میں یہ بھی خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جائیدادوں کی آمدنی کہاں جائے گی۔ یہ بھی میں واضح کر دیتا ہوں کہ بڑے کاموں کے لئے ہمیشہ بڑی تیاری کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے نہ تو تبلیغ کا یہ دائرہ وسیع ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور نہ ہی اتنے مبلغ کافی ہو سکتے ہیں۔ ہمیں ہر ملک میں اس سے آٹھ دس گُنا زیادہ مبلغ رکھنے پڑیں گے اور علاقوں کے لحاظ سے گویا ساٹھ ستّر گُنا زیادہ علاقوں میں تبلیغ کو وسیع کرنا پڑے گا۔

☆خطبہ کی درستی تک دو لاکھ پانچ ہزار کے وعدے ہو چکے ہیں۔

اور پھر بھی ابھی بہت سی دنیا ہماری تبلیغ سے باہر رہ جائے گی۔ اگر موجودہ حالت سے ساٹھ گُنا زیادہ علاقوں میں تبلیغ کو وسیع کریں تو موجودہ اندازہ مَیں نے اڑھائی لاکھ بتایا ہے اس کو اگر ساٹھ سے ضرب دیں تو یہ ایک کروڑ پچاس لاکھ روپیہ ہو جاتا ہے۔ بہر حال جب وہ زمانہ آئے گا تو اُس وقت خدا تعالیٰ ایسے سامان بھی پیدا کر دے گا کہ ایک کروڑ پچاس لاکھ تو کیا اگر ایک ارب روپیہ کا مطالبہ کیا جائے گا تو لوگ کہیں گے یہ تھوڑا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ زمانہ کب آئے گا۔ ہماری زندگی میں آئے یا ہماری زندگی کے بعد آئے، مگر آئے گا ضرور۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے وعدے نہیں ٹل سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیّت فیصلہ کر چکی ہے کہ ساری دنیا پر اسلام اور احمدیت کی تبلیغ پھیلا دی جائے۔ اور اس کے لئے غیر معمولی سامان پیدا ہو رہے ہیں، آسمان سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں کہ لوگوں کے دلوں کی اصلاح کر لیں اور روحانی توپیں مادیت کے قلعوں کو مسمار کرنے کے لئے گاڑی جا رہی ہیں۔

یہ کام تو ہو گا جب ہو گا مگر جہاں تک انسانی تدابیر کا سوال ہے اس کے لحاظ سے بھی اب ایسا زمانہ آرہا ہے کہ ہمیں اپنے کاموں کو بڑھانا پڑے گا۔ اگر کسی شخص کے ہاں آج بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے ایک گز کپڑا درکار ہوتا ہے تو کوئی احمق ہی ہو گا جو یہ کہے کہ اگلے سال بھی اتنے کپڑے میں ہی کام چل جائے گا۔ کیونکہ اگلے سال اس کے لئے دو گز کپڑا درکار ہو گا۔ اور کوئی نادان ہی ہو گا جو یہ خیال کرے کہ پانچ چھ سال کے بعد بھی دو گز میں ہی کام چل جائے گا کیونکہ پانچ چھ سال کے بعد پھر اسے تین چار گز کپڑا درکار ہو گا۔ اسی طرح جوں جوں وہ بچہ بڑھتا چلا جائے گا اس کے لئے زیادہ سے زیادہ کپڑا درکار ہو گا۔ پس ہم نے اگر آج ایک کام شروع کیا ہے تو کل اس کام میں جو زیادتی پیدا ہونے والی ہے ہمیں اس کو بھی مدنظر رکھنا پڑے گا۔ اگر آج ہم اڑھائی لاکھ روپے سے کام شروع کرتے ہیں تو آج سے پانچ سال بعد ہمیں پانچ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہو گی اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہمیں آج سے ہی سامان کرنا ہو گا۔ اس لئے میں نے جائیداد کی آمد کو اس وقت بالکل مدنظر نہیں رکھا۔ اول تو اِس جائیداد پر پانچ لاکھ روپے کا قرضہ ہے۔ اس عرصہ میں اس سے جو آمد ہو گی اس سے یہ قرضہ اتاریں گے۔ اس کے بعد جو آمد ہو گی اس کو ریزرو فنڈ میں جمع کریں گے۔ اور پھر اس سے

اَور آمدنی پیدا کرنے کے ذرائع سوچیں گے اور کام میں جو وسعت پیدا ہو گی وہ اس آمدنی سے پوری کریں گے۔ پس جہاں تک موجودہ اڑھائی لاکھ روپے کا بوجھ اٹھانے کا سوال ہے یہ بوجھ تحریک جدید کے چندوں پر ڈالا جائے اور جب دفتر اول کے انیس سال پورے ہوں تو دفتر ثانی اس بوجھ کو اٹھائے۔ مگر اُس وقت تک کام میں جو وسعت پیدا ہو چکی ہو گی اور اس کام کو چلانے کے لئے جو ضرورت بڑھ جائے گی وہ ضرورت اس ریزرو فنڈ کی آمد سے پوری کی جائے۔ میں اس کے متعلق بتانا نہیں چاہتا تھا مگر شاید یہ خیال کیا جائے کہ جائیداد کی آمد بے کار پڑی رہے گی اس لئے میں نے بتا دیا ہے کہ وہ بے کار نہیں پڑی رہے گی بلکہ اس کے آمدنی کے نئے ذرائع پیدا کئے جائیں گے جو کام کی وسعت کو سنبھال سکیں۔ اِس وقت اس جائیداد کی قیمت پنجاب کی قیمتوں کے لحاظ سے اسّی لاکھ روپیہ کی ہے اور وہاں (سندھ) کی قیمتوں کے لحاظ سے ستائیس لاکھ روپے کی ہے اور گورنمنٹ کو اس پر کوئی سترہ لاکھ روپے کے قریب اس کی قیمت دی گئی ہے۔ اس رقم میں سے چھ سات لاکھ روپیہ چندوں سے بچا کر دیا گیا ہے۔ باقی وہیں کی آمدنی سے یا قرض لے کر ادا کیا گیا ہے۔ کُل سترہ لاکھ روپیہ دے کر اب یہ جائیداد آزاد کرائی جا چکی ہے جس کی قیمت اب ستائیس لاکھ روپیہ ہے۔ تین چار لاکھ وہاں کی آمدنی سے، پانچ لاکھ قرض لے کر اور چھ سات لاکھ چندہ میں سے ادا کیا گیا ہے اور میں کوشش کر رہا ہوں کہ ان جائیدادوں کو منظم کر کے ان کی آمدنی سے آہستہ آہستہ بیس پچیس لاکھ کا ایک اَور ریزرو فنڈ قائم کر دیا جائے۔

پس میری اِس سکیم کے ماتحت جائیداد کی آمدنی کو اُس وقت تک چُھوا نہیں جا سکتا۔ ورنہ کچھ سال کے بعد کام کے بڑھنے پر سلسلہ کو سخت نقصان پہنچے گا۔ ضرورت ہے کہ اس کی آمدن سے مزید آمد پیدا کی جائے تا کہ کام میں جو وسعت پیدا ہو اس کے لئے ابھی سے سامان مہیا کرنا شروع کر دیا جائے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ ہمارے چھوٹے سے چھوٹے کام کے لئے ڈیڑھ کروڑ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر ہم بیس پچیس لاکھ روپیہ سالانہ بھی خرچ کریں تو اس بیس پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کی آمد پیدا کرنے کے لئے بھی ابھی سے سامان پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جماعت کو کس قدر بڑھا دے گا کہ

وہ اِس بوجھ کو اٹھالے۔ ہماری امیدیں تو یہی ہیں اور کل مَیں نے جب مبلغین بلائے کہ باہر جانے کے لئے تیاری شروع کر دیں تو میں نے ان سے یہی کہا کہ ہمارے پاس اتنے سامان بھی نہیں لیکن کام کو وسیع کرنے کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ آپ اس نیت سے باہر جائیں اور وہاں جاکر یہ کوشش کریں کہ اس ملک کے اتنے افراد احمدی ہو جائیں کہ اُن کا چندہ اُس ملک کی تبلیغ کے بوجھ کو اٹھائے تاکہ مرکز پر سے جلد اُن مشنوں کا بوجھ اُتر جائے۔ اور وہ فارغ شدہ رقوم سے اَور مبلغ بھجوا سکے۔ پس یہ تین باتیں میں جماعت کے سامنے رکھتا ہوں۔

اول یہ کہ جماعت کے دوست تحریک جدید کے چندہ میں اس رنگ میں حصہ لیں کہ ہر گروپ انیس سال تک اس بوجھ کو اٹھائے۔ اور جب انیس سال کے بعد ان کی قربانی ختم ہو جائے تو پھر دوسرا گروپ آگے آئے اور وہ اس بوجھ کو اٹھائے اور اس طرح قیامت تک یہ سلسلہ چلتا چلا جائے۔ اس طرح ہر فرد پر اس کا ہمیشہ بوجھ نہیں رہے گا۔ کیونکہ انیس سال کے بعد نئی نسل آجائے گی اور وہ اس بوجھ کو اٹھالے گی اور اس طرح یہ تبلیغ ہمیشہ تک جاری رہے گی۔

دوسرے یہ کہ ہمارے مبلغ اس محنت اور دیانتداری سے کام کریں کہ وہ جس ملک میں جائیں وہ ملک دو تین سال کے بعد وہاں کی تبلیغ کا بوجھ خود اٹھائے۔

تیسرے یہ کہ جائیداد کی آمدنی ریزروفنڈ میں جمع ہوتی رہے۔ ان تینوں ذرائع کو ملا کر امید ہے کہ اگر ہم اس کے مطابق چلیں اور گناہ کی شامت ہمارے رستہ میں حائل نہ ہو تو دس بارہ سال کے بعد بیس پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی ان تینوں ذرائع سے پیدا ہو سکے۔ بہرحال اصل نتیجہ تو دس بارہ دن کے بعد ہی معلوم ہو گا کہ تحریک جدید میں دوستوں نے کس حد تک حصہ لیا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ میرے الفاظ کے ظاہری معنوں سے جو کچھ نکلتا تھا کہ کم از کم نویں سال کے برابر چندہ ہو یہ تو ہو جائے گا۔ (اور جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے اِس وقت تک ہو چکا ہے) مگر جو سکیم ہمارے مدنظر ہے اس کے لحاظ سے وہ رقم کافی نہیں۔ کیونکہ گیارھویں سال کے چندوں کا موجودہ اندازہ دو لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ مگر میں نے بتایا ہے کہ ہمیں اپنی اس تبلیغی سکیم کو جاری کرنے کے لئے اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ کی ضرورت ہے۔ مگر

اس اڑھائی لاکھ میں ابھی ایک چیز مَیں نے شامل نہیں کی۔ اور وہ یہ کہ جو مبلغین باہر جائیں گے ان کے سفر خرچ پر بھی چالیس پچاس ہزار روپیہ خرچ ہو گا بلکہ اس بھی زیادہ۔

اِس وقت تک چار مبلغ افریقہ جا چکے ہیں اور دو تیاری کر رہے ہیں۔ باقی ہر ملک کے لئے میں نے مبلغ مقرر کر دیئے ہیں جو ممالک قریب ہیں اُن کا کرایہ کم ہے اور جو دور ہیں اُن کا زیادہ ہے۔ مثلاً افریقہ جانے کے لئے ڈیڑھ ہزار روپیہ کرایہ خرچ ہوتا ہے۔ اور جو ممالک دور ہیں وہاں کے لئے اڑھائی تین ہزار روپیہ کرایہ خرچ ہوتا ہے۔ اگر ڈیڑھ ہزار روپیہ ہی اوسط لگا لی جائے تو اس لحاظ سے سینتیس مبلغوں کا پچپن چھپن ہزار روپیہ تو صرف کرایہ کا خرچ ہے۔ اور یہ بھی تھرڈ کلاس کا کرایہ ہے یہ نہیں کہ وہ بڑے آرام سے سفر کریں گے۔ آخر جو کرایہ مقرر ہے وہی دینا پڑے گا اِس میں کفایت کرنا تو ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ تو یہ رقم ابھی میرے اس حساب سے باہر ہے۔ بہرحال اگر اس کو بھی شامل کر لیا جائے تو تین لاکھ روپیہ کی اس سال ضرورت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق دے کہ وہ ان تینوں باتوں کی اہمیت کو سمجھے اور دوسروں پر ان کی اہمیت اور معقولیت واضح کرے اور اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے کہ وہ خوشی خوشی ان بوجھوں کو اپنے سروں پر اٹھا لیں اور خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نئے نئے لوگوں کو پیدا کرے کچھ ہمارے گھروں میں اور کچھ باہر سے لا کر جو اس بوجھ کو ہم سے بھی زیادہ اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ اور اس قسم کی قربانی کی روح اپنے ساتھ لائیں کہ یہ کام بجائے گھٹنے کے ہر سال بڑھتا چلا جائے اور ہم اپنی زندگیوں میں دیکھ لیں کہ ہر ملک میں اسلام کی تبلیغ پھیل چکی ہو۔ ہمارے مبلغ ہزاروں کی تعداد میں تبلیغ کر رہے ہوں اور لاکھوں لاکھ آدمی ہر ملک میں احمدیت میں داخل ہو چکے ہوں۔ ہم اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیں کہ دشمن بھی اقرار کرے کہ اب اسلام پھیل چکا اور اب احمدیت دنیا پر غالب آگئی۔ اب اس کا مقابلہ کرنا فضول ہے۔ یہ خدا کی بات تھی جو پوری ہو گئی۔ آمین" (الفضل مورخہ 8 فروری 1945ء)

1: الرحمٰن: 20، 21